OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 6 Issue 3 (July-September 2023)

# سرسید احمد خان کے تفسیری اصول اور ان کا اطلاق: تفسیر القرآن کا خصوصی مطالعہ

# Sir Syed Ahmad Khan's principles of exegesis and their application: A Study of *Tafsīr al-Qur'ān*

Shoaib Ahmad
*Doctoral Candidate, Division of Islamic and Oriental Learning, University of Education L M C, Lahore*
Muhammad Sohail Arif
*Doctoral Candidate, Division of Islamic and Oriental Learning, University of Education L M C, Lahore*
Dr Ghazanfar Imran
*Associate professor Govt. Degree College No.2 Dera Ismail khan*

## Abstract

Sir Sayyad Ahmad explores that commandment of Allah Almighty is never against human common-sense understanding. Hence, Sir Sayyad in his Tafsīr Al-Qur'ān follows following principles. God (Allah Almighty) is real and true, and the Holy Qur'ān is the authentic book of Allah Almighty. Everything described in Holy Qur'ān is based on reality and nobody can refuse authenticity of Holy Qur'ān. Sir Sayyad called work of nature as laws of nature and Word of God as Holy Qur'ān. He enforces that both work of nature (Nature's Laws) and Word of Nature (Holy Qur'ān) runs parallel and can't be different. Laws of nature and the Holy Qur'ān can never be against each other. Principle of universal truth is followed. Man has been created to worship God. We can say that Religion has been blessed to man. This highlights the importance of "Man's Wisdom". Hence man has been named as best of all

CC BY

creatures (Ashraf al-Makhlūqāt). Sir Sayyad further explores that there is nothing in the Holy Qur'ān against principles of nature. Holy Qur'ān is complete and it is commandment of Allah Almighty full of reality and truth. However, interpretation of revelation (Wahī) is necessary for understanding. Sir Sayyad enriched his Tafsīr al-Qur'ān with requirements of modern thinking, theology and scientific facts. Hence, he describes his point of views to mold Tafsīr into scientific Tafsīr.

**Keywords**: Qur'ān, Hadīth, Sir Sayyad Ahmad Khān, Interpretation, Tafsīr al-Qur'ān, Domain of Reason, Rational preference

## تمہید

علم تفسیر ابتداء اسلام سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ جیسے جیسے قران مجید نازل ہو رہا تھا ویسے ویسے ساتھ میں تفسیر و تشریح بھی ہو رہی تھی شروع اسلام میں جب صحابہ کرام کو کوئی بات یا کوئی حکم سمجھ نہ آتا تو وہ نبی اکرم ﷺ سے اس کی وضاحت پوچھ لیتے تھے۔ جیسا کہ (سورۃ البقرہ کی آیت 187) نازل ہوئی تو ایک صحابی عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رات کو ایک سفید ڈوری اور ایک کالی اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیں۔ انہیں دیکھتا رہا مگر تمیز نہ ہوئی (کھاتے پیتے رہے) جب صبح ہوئی تو نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! میں نے اپنے تکیے تلے دو ڈوریاں رکھ لی تھیں۔ آپ ﷺ نے (مزاحا) فرمایا: تمہارا تکیہ تو بہت بڑا ہے جس کے نیچے (صبح) سفید ڈوری اور (رات کی) کالی ڈوری آ گئی۔[1]

اس سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں ایک یہ کہ صحابہ کرام کو بھی وضاحت کی ضرورت ہوتی تھی جس بات کی سمجھ نہ آتی فورا نبی اکرم ﷺ سے دریافت فرما لیتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ نبی اکرم ﷺ کے دور ہی سے تفسیر کا علم بھی شروع ہو چکا تھا۔ شروع اسلام میں چونکہ نبی اکرم ﷺ بذات خود موجود تھے اس لئے وہی تفسیر کے اولین مرکز تھے۔ بعد میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کے اقوال و افعال بھی تفسیر میں شامل ہو گئے۔

اولیں رجحان تفسیر بالماثور ہی تھا پھر جب عالم اسلام میں وسعت آئی تو مختلف تحدیات کے مقابلے میں اہل علم نے قرآن سے وابستگی بڑھا دی۔ جس سے تفسیر بالرائے میں عقلی و لغوی اسالیب متعارف ہو گئے۔ اسی اثناء میں تفسیر اشاری کا بھی رجحان بڑھ گیا۔ بعد میں آکر جب مستشرقین نے اسلام پر اعتراض شروع کیا تو بعض مسلم مفسرین نے تو ان کے جواب میں عقلیات کو استعمال کیا اور بعض مفسریں نے اسلام کے چند ایک نظریات کی تاویلات شروع کر دیں اور اس طرح احادیث کو بھی یہ کہہ کر چھوڑنا شروع کر دیا کہ یہ عقلیات کے منافی ہیں۔ اسی دور میں سر سید احمد خان نے بھی مستشرقین کے جواب اپنی تفسیر دئے ہیں اور اپنی تفسیر میں چند ایک رجحانات کو اپنایا ہے جن کا مطالعہ کریں گے۔

## سر سید احمد خان کا تعارف

احمد خان متقی بن محمد متقی(17 اکتوبر 1817ء–27مارچ 1898ء) المعروف سر سید، سر سید احمد خان انیسویں صدی کے ایک ہندوستانی مسلم نظریہ عملیت کے حامل، ایک مصلح اور فلسفی تھے۔ان کو برصغیر میں مسلمانوں کا سرخیل مانا جاتا ہے اور دو قومی نظریہ کا خالق تصور کیا جاتا ہے، جو بعد میں قیام پاکستان کا سبب بنا۔اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک مفسر اور محقق بھی تھے۔ انہوں نے ولیم میور کی کتاب کا جواب بھی لکھا جس میں نبی اکرم ﷺ کی ذات پر اعتراضات کئے گئے تھے۔ دینی تعلیم کے لئے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے پوتے شاہ مخصوص اللہ اور مولانا مملوک علی نانوتویؒ سے زانوئے تلمّذ طے کئے۔ انگریزوں کی نمک حلالی کے باعث ملازمت ملی۔ سرکاری ملازمت کے بعد بقیہ زندگی علی گڑھ یونیورسٹی کے لئے وقف کر دی۔ آکری عمر میں ان کے بیٹے سید محمود جو شراب کے رسیا تھے اس نے انہیں گھر سے نکال دیا مجبوراً دوست کے ہاں پناہ لی اور وہیں سے 28مارچ 1898ء کو جنازہ نکلا۔

## سر سید احمد خان کا علمی ارتقاء

(سر سید احمد خاں ۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء)نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں، وہ مسلمانوں کی سیاسی، معاشی، تعلیمی اور سماجی پستی کا دور تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی سے مسلمان کمزور ہو گئے تھے۔اس وقت مسلمانوں کی زبوں حالی دیکھی۔ چناچہ ان کی انگریزوں کے ساتھ قربت کی وجہ سے وہ کافی واقف تھے اور انگریزوں سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ اور وہ مسلمانوں کو بھی اس بات کی طرف راغب کرتے نظر آئے کہ جدید علوم سیکھیں اور انگریزوں کو اپنا حاکم تسلیم کر لیں۔انہوں نے 1869 ءمیں لندن کا سفر اختیار کیا اور12 /اکتوبر1870 ء کو جب وہ واپس لوٹے تو وہ مادیت پسند ہو چکے تھے ۔ سر سید اپنی تفسیر اور عقیدے میں بھی اسی روشن خیالی کو بیان کرتے ہیں اور اس میں اس قدر غلو کیا کہ عربی زبان و لغت کے مسلمہ اصول و قوائد اور اجماع و تواتر کے خلاف کہنے میں بھی انہیں کچھ باک نہ رہا۔[2] قاضی جاوید لکھتے ہیں:

> " سر سید اور ان کے رفقائے کار اور ہم خیال نو آبادیاتی نظام کے بدترین اثرات کی تجسیم تھے۔اس نظام کے جبر نے انہیں نیم انسانوں کی سطح پر لا کھڑا کیا تھا بلکہ شاید وہ اس سے بھی بہت پست سطح پر گر گئے تھے۔ اپنے انسان ہونے کی صداقت کی نفی کر کے انہوں نے اپنی پناہ گاہ ڈھونڈی تھی۔ سر سید نے اپنی نئی صداقت کے واضح اظہار میں کبھی تامل نہیں کیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ انگریزں پر یہ الزام لگانا غلط ہے کہ وہ ہندوستان کے مقامی باشندوں کو جانور سمجھتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ہم درحقیقت جانور ہیں"۔[3]

"میں بلا مبالغہ نہایت سچے دل سے کہتا ہوں کہ تمام ہندوستانیوں کو اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک، امیر سے لے کر غریب تک، سوداگر سے لے کر اہلِ حرفہ تک، عالم فاضل سے لے کر جاہل تک، انگریزوں کی تعلیم و تربیت اور شائستگی کے مقابلہ میں درحقیقت ایسی ہی نسبت ہے جیسے نہایت لائق اور خوبصورت آدمی کے سامنے نہایت میلے کچیلے وحشی جانور کو"۔[4]

سر سید کے مطابق یہ تھا کہ انگریز برصغیر والوں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کریں تو یہ اپنے آپ کو بہتر کریں ان کی مرضی کے مطابق رہیں۔ تاکہ وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

## سر سید احمد خان کی مشہور تصانیف

سر سید احمد خان کی تصانیف حالات و واقعات کا تقاضہ تھیں اس وقت کے جو مسائل وسائل تھے ان کو مد نظر رکھتے ہوئے پہلے واعظ تھے پھر ادیب بن گئے اور اپنی بات کو دوسروں تک پہنچانے میں خاصہ مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی تحریروں سے قومی اصلاح کا کام کیا اسی وجہ سے ان کو سر سید کہا گیا۔ سر سید احمد خان کی مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

آثار الصنادید ، آئین اکبری،تاریخ ضلع بجنور، رسالہ اسباب بغاوت ہند ، تصحیح تاریخ فیروز شاہ، تبیان الکلام، تفسیر الکلام، خطبات احمدیہ ،تفسیر القرآن۔

### وجہ تالیف تفسیر القرآن

سر سید احمد خان نے جس دور میں تھے وہاں سیاسی اور اخلاقی بحران کے ساتھ ساتھ عقل پرستی عروج پر تھی۔ مغربی عقائد و نظریات نے اسلام میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر دئے تھے۔ ویسے بھی مغرب کی برصغیر پر حکمرانی تھی۔ تو اس وقت سر سید احمد خان نے ان تمام مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے اندازہ کیا کہ یا تو ان عقل پرستانہ نظریات کو یہ کہہ کر رد کیا جائے کہ ان کو اسلام میں کسی طرح بھی ان کی گنجائش نہیں یا پھر ان کو کلی طور پر اپنالیں اور دینی عقائد و نظریات کو اس میں ڈھال لیں۔ سر سید احمد خان نے دوسرے راستے کو اپنایا۔ سر سید احمد خان اس کے بارے میں یہ خود یہ کہتے ہیں:

"جس مجموعہ مسائل واحکام واعتقادات وغیرہ پر فی زمانہ اسلام کا لفظ اطلاق کیا جاتا ہے، وہ یقینا مغربی علوم (عقلیہ) مقابلے میں قائم نہیں رہ سکتا"۔[5]

نیز سر سید احمد خان باہم موافقت پیدا کرنے کے لئے لکھتے ہیں کہ:

"یا تو ہم علوم جدیدہ کو باطل ثابت کریں یا پھر انہیں اسلام کے مطابق کر کے دکھائیں"۔[6]

سر سید احمد خان جس کام کے لئے نکلے وہ قرآن مجید کی تفسیر سے شروع کیا لیکن انہوں نے اسلام کے عقائد و نظریات کی وضاحت کی بجائے تفسیر کو عقل کے مطابق کرنے کی کوشش کی اور جو مسائل سمجھ میں نہ آئے یا ان کو عقل تسلیم کرنے سے قاصر تھے ان کی تاویلات کر کے بیان کر دیا کیوں کہ ان دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی حکم ایسا نازل نہیں فرمایا جس کو انسانی عقل سمجھ نہ سکے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر شہباز منج صاحب رقم طراز ہیں:

"مذہبی فکر کے باب میں سر سید کا مغرب سے تاثر سماجی و معاشرتی اور تہذیبی حوالے سے سر سید کے مغرب سے تاثر کا ثمرہ و شاخانہ ہے"۔[7]

### سر سید احمد خان کے تفسیری اصول اور ان کا اطلاق

سر سید احمد خان کی یہ تفسیر جو نہ مکمل ہے اس کی چھ جلدیں سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ اسراء تک علی گڑھ کالج سے سر سید احمد خان کے دور ہی میں شائع ہو چکی تھیں، ساتویں جلد جو سورۃ کہف سے لے کر سورۃ طٰہٰ تک ہے اسے علی گڑھ بک ڈپو نے انکی وفات کے بعد شائع کیا۔ تفسیر کے منہج کے بارے میں سر سید احمد خان خود لکھتے ہیں:

"میں بقدر اپنی طاقت کے خود قرآن کریم پر غور کیا اور چاہا کہ قرآن کو خود ہی سمجھنا چاہئے"[8]

اس سے واضح پتہ چلتا ہے سر سید احمد خان نے اپنی تفسیر میں مکمل طور پر اپنی عقل کو مد نظر رکھا ہے اور اسے ہی محور بنا کر قرآن مجید کی تفسیر کی ہے۔

### سر سید احمد خان کے تفسیر لکھنے کے اصول

سر سید احمد خان، نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خان کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں کہ میرے تفسیر لکھنے کہ جو اصول ہیں ان کو بالاستیاب لکھنے کے لئے تو شاید ایک رسالہ چاہئے۔ مگر چند ایک درج ذیل ہیں:

**پہلا اصول:** ان کا تفسیر لکھنے میں پہلا اصول یہ ہے کہ "خدا سچا ہے اور قرآن مجید اس کا کلام اور بالکل سچ اور صحیح ہے۔ کوئی علم یعنی سچ اس کو جھٹلا نہیں سکتا بلکہ اس کی سچائی پر زیادہ روشنی ڈالتا ہے"۔[9]

**دوسرا اصول:** اپنے تفسیر لکھنے میں دوسرے اصول کے متعلق لکھتے ہیں کہ "اب ہمارے سامنے دو چیزیں موجود ہیں۔ ورک آف گاڈ یعنی قانون قدرت۔ ورڈ آف گاڈ یعنی خدا کا کلام قرآن مجید اور ورڈ آف گاڈ اور ورک آف گاڈ کبھی مختلف نہیں ہو سکتے اگر مختلف ہوں تو ورک آف گاڈ تو موجود ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور سے ورڈ آف گاڈ جس کو کہا جاتا ہے اس کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے۔ نعوذ باللہ منہا اس لئے ضروری ہے کہ دونوں متحد ہوں"۔[10]

**تیسرا اصول:** "ورک آف گاڈ یعنی قانون قدرت ایک عملی عہد ملا کا ہے۔ اور وعدو وعید یہ قولی معاہدہ ہے اور ان دونوں میں سے کوئی بھی خلاف نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ اس کی تسلیم سے خدا کی قدرت مطلق میں نقصان آتا ہے"۔[11]

**چوتھا اصول:** "خواہ یہ کرو کہ انسان مذہب یعنی خدا کی عبادت کے لئے پیدا ہوا ہے۔ خواہ یہ کہو کہ مذہب انسان کے لئے بنایا گیا ہے دونوں حالتوں میں ضرور ہے کہ انسان میں یہ نسبت دیگر حیوانات کے کوئی ایسی چیز ہو کہ وہ اس بار کو اٹھانے کا مکلف ہو"۔ "اور انسان میں وہ شے کیا ہے؟ عقل ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ جو مذہب اس کو دیا جاوے وہ عقل کے مافوق نہ ہو"۔[12]

### تفسیری اصولوں کا خلاصہ

سر سید کے مطابق کوئی بھی احکام الہٰ عقل کے منافی نہیں ہے بلکہ تمام احکام عین عقل کے مطابق ہیں۔ اور جو احکام سمجھ میں نہ آئیں ان کی تاویل کی جائے گی۔ انہوں نے اپنے اس علم الکلام کا صحیح استعمال اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ انہوں نے اپنی تفسیر کے لئے کچھ خاص اصول مرتب کئے ہیں جن کے مطابق وہ اپنی مکمل تفسیر لکھتے ہیں ان کے اصولوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ذات قادر مطلق ہے اور اس ذات نے دنیا میں انسانوں کی ہدا ایت کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاء ورسول بھیجے ہیں اور ان میں سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اور ان کے اصولوں کے مطابق قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور اس قرآن مجید میں کو نبی اکرم ﷺ کے دل میں القاء کیا یا اسے جبرائیل امین لے کر آئے اس میں اختلاف کرتے ہیں اور جبرائیل کے وحی لے کر آنے کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں کوئی بات خلاف واقعہ موجود نہیں بلکہ تمام تر صفات جن کا بیان ہوا ہے وہ اس ذات الٰہی کے ساتھ پیوست ہیں اور ازلی و ابدی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات لا محدود ہیں ان کی کوئی حد نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے قوانین قدرت تخلیق کئے ہیں اور انہیں تخلیق اور وجود کے نظ، کے لئے قائم رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں کوئی چیز بھی قوانین فطرت سے ہٹ کر نہیں قرآن مجید مکمل کتاب ہے جس میں کوئی چیز نہ تو اضافی ہے اور نہ ہی کم۔ تفسیر میں نسخ کا جو مسلمہ اصول ہے اس کا رد کرتے

ہیں۔ وحی کی تشریح ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید میں جو معاد کا بیان ہے وہ حتمی ہے اس کے اثبات کے لئے مسائل معاد کی تشریح کی جاوے گی۔

سر سید کا اہم تفسیری اصول یہ ہے کہ ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ میں کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ چونکہ دونوں من جانب اللہ ہیں اس لئے ان میں توافق اور تطابق ضروری ہے اس لئے چونکہ دونوں من جانب اللہ ہیں تفسیر میں ان دونوں کا خیال رکھا جائے گا۔ اگر ان میں توافق یا تطابق نہ پایا گیا تو اس سے الہامی قرآن میں تناقض لازم آتا ہے۔ سر سید نے اس اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن مجید کی تفسیر کو جدید ذہن اور سائنس کے مطابق کرنے میں اپنی متجددآنہ اراء کا استعمال کیا ہے۔[13] سید محمد عبد اللہ کہتے ہیں:

> "تفسیر القرآن میں روایات سے بغاوت اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ اس میں اصول، طریقِ کار اور نصب العین سب کچھ پرانی تفسیروں سے مختلف معلوم ہوتا ہے۔ سر سید کے افکار کا محور یہ ہے کہ اسلام کا کوئی مسئلہ عقل اور اصولِ تمدن کے خلاف نہیں۔ دین میں صرف قرآنِ مجید یقینی ہے، باقی سب کچھ یعنی حدیث، اجماع اور قیاس وغیرہ اصولِ دین میں شامل نہیں"۔[14]

مولانا الطاف حسین حالی اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ: "سر سید نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ اسلام کے متعارف مجموعہ میں سے وہ حصہ جس کو تمام مسلمان ملہم من عند اللہ سمجھتے ہیں اور جس کی نسبت یقین رکھتے ہیں کہ وہ جس طرح خدا کی طرف سے نبی آخر الزمان کے دل میں القا ہوا ہے، اسی طرح بے کم و کاست نبی ﷺ سے ہاتھوں ہاتھ ہم تک پہنچا ہے، صرف وہی حصہ اس بات کا استحقاق رکھتا ہے کہ اس میں جو بات مسائلِ فلسفہ و حکمت کے خلاف ہو، اس میں اور مسائلِ حکمت میں تطبیق کی جائے یا مسائلِ حکمیہ کی غلطی ثابت کی جائے۔ پس انہوں نے جیسا کہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ "حسبنا کتاب اللہ" اپنے جدید علم کلام کا موضوع اور اسلام کا حقیقی مصداق محض قرآن مجید کو قرار دیا اور قرآن مجید کی تفسیر میں احادیث کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ ان میں کوئی بھی حدیث مثل قرآن قطعی نہیں ہے۔ اور تمام علماء و مفسرین کے اقوال و آرا اور تمام فقہا و مجتہدین کے قیاسات واجتہادات کو اس بنا پر کہ ان کے جو ابدہ خود علما و مفسرین اور فقہا و مجتہدین ہیں، نہ اسلام، اپنی بحث سے خارج کر دیا"۔[15]

احادیث کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے سر سید نے یہ نظریہ پیش کیا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا انداز تمثیلی ہے اس سے قرآن مجید کی من مانی تفسیر کی راہ تلاش کر لی گئی۔ اسکے متلق جاوید احمد بھی اپنی کتاب (قاضی جاوید، سر سید سے اقبال تک، ص258) میں اس کی تفصیل سے وضاحت کرتے ہیں۔ ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کی موافقت سے متعلق سر سید کے خیالات میں پراٹ (John H Prat) کی اس کتاب سے گہرا تاثر پایا جاتا ہے جس میں اس نے اپنے نتائجِ فکر بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "کوئی نئی ایجاد خواہ کتنی ہی حیرت انگیز ہو، ہماری مقدس کتابوں کے کل مضامین کے الہامی ہونے کے عقیدے میں خلل انداز نہیں ہوتی اور نہ سائنس کے ولولہ ہی کو کم کرتی ہے"۔[16]

## پہلا اصول: عقل کو نقل پر فوقیت

> "عقل کو نقل پر بہر صورت برتری حاصل ہو گی، تعارض کی صورت پیش آجائے تو ترجیح بھی عقل کو ہو گی"۔[17]

سر سید احمد خان نے معتزلہ کہ اس اصول کو جابجا استعمال کیا اور اس کے تحت تحریف و تاویل سے کام لیا یا ان کا کلی طور پر انکار کر دیا، مثلاً: ملائکہ، جنّات وشیاطین، جنت وجہنم، حشر ونشر، رؤیتِ باری تعالیٰ وغیرہ کا انکار اس وجہ سے کیا کہ یہ عقل پہ پورا نہیں اترتیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل اس بات کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے کہ کوئی مخلوق موجود ہو اور وہ نظر بھی نہ آئے اور اس سے میل جول بھی نہ ہو۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں: "قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کرر کھا ہے، ثابت نہیں ہوتا"۔[18]

فرشتوں کے بارے میں تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "قرآن کریم میں ملائکہ سے مراد انسان کے قوائے ملکوتی اور شیطان سے مراد قوائے بہیمی ہیں"۔[19]

فرشتوں، شیطان اور جنوں کا تصور ہر مزہب میں رہا ہے جس سے کسی مذہب نے انکار نہیں کیا۔ جب یورپ میں جدیدیت کا دور آیا اور عقل پرستی رائج پاگئی تب یہ رجحان پیدا ہو گیا کہ یہ سب غیر مرئی طاقتیں ہیں ان کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور انہوں نے اپنے پرانے محققین کی باتوں کو توہمات قرار دے دیا۔ اس سلسلہ میں معروف ماہرِ نفسیات فرائڈ نے خصوصی کردار ادا کیا۔[20]

غیر مرئی مخلوقات سے متعلق مغربی اہلِ فکر کے خیالات سے متاثر ہو کر سر سید نے ملائکہ، شیطان اور جنات سے متعلق قرآنی بیانات کی معذرت خواہانہ توجیہات پیش کرتے ہوئے ان کے خارجی وجود سے انکار کر ڈالا۔ چنانچہ وہ اپنی تفسیر میں ملائکہ اور شیاطین کو خیر وشر کی قوتیں اور جنات کو جنگلی اور پہاڑی مخلوق قرار دیتے ہیں۔ (سورہ البقرہ کی آیت 30) کی تفسیر میں فرشتوں اور شیطان کی بابت لکھا ہے: "جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے، ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قوی کو، جو خدا نے اپنی مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کیے ہیں، ملک یا ملائکہ کہا ہے جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔ پہاڑوں کی صلابت، پانی کی رقت، درختوں کی قوتِ نمو، برق کی قوتِ جذب ودفع، غرضیکہ تمام قوی جن سے مخلوقات موجود ہوئی ہیں اور جو مخلوقات میں ہیں، وہی ملائک وملائکہ ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ انسان ایک مجموعہ قوائے ملکوتی اور قویٰ بہیمی کا ہے، اور ان دونوں قوتوں کی بے انتہا ذریات ہیں جو ہر ایک قسم کی نیکی اور بدی میں ظاہر ہوتی ہیں اور وہی انسان کے فرشتے اور ان کی ذریات اور وہی انسان کے شیطان اور ان کی ذریات ہیں۔[21]

بالفاظِ دیگر سر سید کے ہاں قرآن کی اصطلاح میں، اپنے ثانوی مفہوم میں، فرشتہ خدائی اخلاقی سہارا ہے جو انسان کی حد سے زیادہ ناخوش گوار حالات سے نپٹنے کی کوشش میں مدد کرتا ہے، اور شیطان یعنی مردود فرشتہ کو استعارۃً قرآن پاک میں مخلوقِ آتش سے موسوم کیا گیا ہے، یہ دراصل انسان کے سیاہ شہوات کی جانب اشارہ ہے۔[22] جنات کے بارے میں سر سید لکھتے ہیں: "جنات سے پہاڑی وجنگلی آدمی مراد ہیں"۔[23]

جن کے بارے میں کہتے ہیں کہ جن اور اس طرح کے تمام حروف کے معنیٰ کو مستعار لیا جائے گا۔ مزید لکھتے ہیں کہ "عرب میں جن بیماریوں یا مسائل جن کا حل مشکل ہوتا تھا، غیر مرئی موثر کا اثر خیال کرتے تھے جیسا کہ اب بھی جہلا بیار آدمی پر آسیب کا اثر خیال کرتے ہیں۔ مشرکینِ عرب اور یہودیوں میں جنوں کا عجیب وغریب تخیل مجوسیوں سے درآمد کیا گیا، جو ابتدا ہی سے اہرمن ویزداں کے قائل تھے۔ مشرکینِ عرب کا یہ بھی خیال تھا کہ یہ مخلوق انسان کو بھلائی یا برائی پہنچانے کی قدرت رکھتی ہے

اور مختلف اشکال میں متشکل ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں کہیں استعارۃً جن کا اطلاق شیطان معنوی الانسان پر ہوا ہے، کہیں وحشی اور شریر انسانوں پر اور کہیں بطورِ الزام وخطابیات کے اس وجودِ خیالی پر جس پر مشرکین یقین رکھتے تھے"۔[24]

اللہ تعالیٰ کے دیدار کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کا دیدار نہ تو اس دنیا میں ممکن ہے اور نہ قیامت والے سن ممکن ہے۔ وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "خدا کا دیکھنا دنیا میں نہ ان آنکھوں سے ہو سکتا ہے اور نہ ان آنکھوں سے جو دل کی آنکھیں کہلاتی ہیں اور نہ قیامت میں کوئی شخص خدا کو دیکھ سکتا ہے"۔[25] نبوت کے بارے میں وہ اپنے اصول کے تحت بیان کرتے ہیں کہ نبوت وہبی نہیں ہوتی بلکہ اسے فطری عمل قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "نبوت فطری امر ہے"۔[26] اس معاملے میں بھی سر سید عقل کو نقل پر فوقیت دیتے ہیں۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر محمد شہباز منج تفصیل کے ساتھ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "مغربی و استشراقی اہل فکر سے تاثر کے نتیجے میں سر سید نے معاد سے متعلق مسائل روحانی ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے"۔[27]

اسلام کے نقطہ نظر میں وَحی نبی کے کی داخلی کیفیت نہیں بلکہ وحی فرشتے کے ذریعے نازل ہوتی ہے اور نہ ہی نبوت کوئی فطری عمل ہے اہل مغرب بھی اس بات کے قائل ہیں کہ دیگر انبیاء پر بھی وحی نازل ہوتی رہی اور اس کی کیفیت کا بھی اقرار کرتے ہیں لیکن اس سب کے باوجود بھی سر سید احمد خان وحی اور نبوت کی تاویل کرتے ہیں حالانکہ اس سے قبل انہوں نے ولیم میور کی کتاب کا جواب لکھنے کے لئے بہت محنت کی لیکن بعد میں جن توجیہات کو اپنا لیا ان سے تو ایسے لگتا ہے جیسے انہوں نے ولیم میور کے بیان کو قبول کر لیا ہو۔ اور کوئی بھی یہ نہیں جان سکتا کہ کیا یہ سر سید وہی ہیں جنہوں نے ولیم میور کی کتاب کا رد لکھا تھا کیونکہ ان کے بعد والے نظریات قریب قریب لگتے ہیں۔ اس کے متعلق ڈاکٹر شہباز منج رقمطراز ہیں:

> "میور وغیرہ مستشرقین نے آں حضور ﷺ پر صرع اور مرگی کا جو الزام عائد کیا تھا، سر سید نے 'خطباتِ احمدیہ' میں بلاشبہ اس کی زبردست تردید کی ہے لیکن 'تفسیر القران' میں وہ وحی و نبوت کی ایسی توجیہ پیش کرتے ہیں کہ اپنے خیالات کو بالبداہت استشراقی الزامات سے جا ملاتے ہیں۔ سر سید لکھتے ہیں کہ نبوت ایک فطری چیز ہے جو انسان میں اس کی دوسری صفات کی طرح خلقی طور پر موجود ہوتی ہے۔ یہ فطری صفت مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہے، مثلاً ہدایتِ کامل کی فطرت، ملکۂ نبوت، ناموسِ اکبر اور جبریلِ اعظم وغیرہ۔ خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکۂ نبوت کے جسے جبریل بھی کہا جا سکتا ہے اور کوئی ایلچی یا پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ نبی کا دل ہی وہ آئینہ ہے جس میں تجلیاتِ ربانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ وہ خود ہی وہ مجسم چیز ہے جس میں سے کلامِ خدا کی آوازیں نکلتی ہیں۔ وہ خود ہی وہ کان ہوتا ہے جو خدا کے بے حرف وصوت کلام کو سنتا ہے۔ اسی کے دل سے فوارہ کی مانند وحی اٹھتی ہے اور خود اسی پر نازل ہوتی ہے۔ اسی کا عکس اس کے دل پر پڑتا ہے، جس کو وہ خود ہی الہام کہتا ہے۔ اس کو کوئی نہیں بلواتا، وہ خود ہی بولتا ہے اور خود ہی کہتا ہے (وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى)۔ وہ خود ہی اپنا کلام اپنے ظاہری کانوں سے یوں سنتا ہے، گویا کوئی دوسرا شخص اس سے کلام کر رہا ہے اور اپنے آپ کو ان ظاہری آنکھوں سے یوں دیکھتا ہے، گویا کوئی دوسرا شخص اس کے سامنے کھڑا ہے۔ یوں سمجھیے جیسے مجنون بغیر کسی بولنے والے کے اپنے کانوں سے آوازیں سنتے اور تنہا ہوتے بھی اپنے سامنے کسی کو کھڑا ہوا اور باتیں کرتا ہوا دیکھتے

ہیں۔ لہٰذا ایسے شخص کو جو فطرت کی رو سے تمام چیزوں سے بے تعلق روحانیت میں مستغرق ہو، ایسی واردات کا پیش آنا ہر گز خلافِ فطرتِ انسانی نہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلا مجنون ہے اور دوسرا پیغمبر۔ کافر دوسرے کو بھی مجنون کہتے تھے۔ چنانچہ وحی وہ چیز ہے جس کو قلبِ نبوت پر اُسی فطرتِ نبوت کے سبب مبدأ فیاض نے نقش کیا ہے۔ یہی نقشِ قلبی کبھی بولنے والے کی مانند ظاہری کانوں سے سنائی دیتا ہے اور کبھی دوسرے بولنے والے کی شکل میں نظر آتا ہے، مگر بجز اپنے آپ کے نہ وہاں کوئی آواز ہے اور نہ بولنے والا۔ جس طرح تمام ملکاتِ انسانی کسی محرک کے پیشِ آنے پر اپنا کام کرتے ہیں، اسی طرح ملکۂ نبوت بھی کسی مخصوص امر کے پیشِ نظر فعال ہو جاتا ہے۔[28]

اس میں ایک بات واضح ہو جاتی ہے کہ سر سید مستشرقین کے بیانیے کے کس قدر قریب قریب بات کہتے ہیں کہ وحی کبھی توسل کی بات کانوں تک اس طرح پہنچتی ہے کہ جیسے کوئی دوسرا بات کر رہا ہو، اس کا واضح مطلب ہے کہ سر سید کے نزدیک نبی ﷺ (نعوذ باللہ) حالت جنون میں بات کو سنتے رہے۔ ،اس نظریے سے یہ بات بھی آسان ہو جاتی ہے کہ کوئی بھی بندہ یہ بات کہہ سکتا ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہو رہی ہے یا میں نبی ہوں کیونکہ داخلی کیفیت ہر بندہ پر تبدیل ہوتی رہتی ہے جو کوئی بھی دعویٰ کرے اسے جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔ سر سید کے اس نظریے سے جھوٹے مدعیان نبوت نے خوب فائدہ اٹھایا اور اپنی بات کو اس نظریے سے تقویت دی۔ اور اس بات کی تصدیق کئی ایک لکھاریوں کی بات سے تصدیق ہوتی ہے جیسے ڈاکٹر ٹرول بھی اسی بات سے بات کرتے ہیں۔

ختم نبعت کے متعلق سر سید کے نظریات کو ڈاکٹر ٹرول اس طرح بیان کرتے ہیں کہ: "سر سید کے نزدیک ختمِ نبوت کا اصول افراد میں ملکۂ پیغمبری یا اس صفت کے سبب انسانوں کو الوہی نعمتوں کے حصول کے اختتام کا مفہوم نہیں رکھتا۔ خدا اپنی مخلوق سے کبھی بے نیاز نہیں رہتا، اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی لوگ اس خلقی تحفہ کے ساتھ پیدا ہوں گے۔ اس کے باوجود کوئی شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ تعلیم کی ہمہ گیر تکمیل اور صداقت میں کوئی اضافہ کرنے کے قابل نہیں ہو گا۔ یہی کامل توحید کا پیغام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اپنے خیالات میں ایک طرف تو سر سید مافوق الفطرت واقعہ کے اصول سے احتراز کرنا چاہتے ہیں، یعنی یہ کہ خدا نے اس کام کے لیے حضور کا انتخاب نہیں کیا تھا اور اسی لیے انہوں نے ملکۂ نبوت کا نظریہ پیش کیا، مگر دوسری طرف وہ اپنے پہلے نظریہ کے تسلسل میں توحید کے پہلے معلم کی حیثیت سے حضرت محمد کی منفرد حیثیت کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک آپؐ کے پیغام میں ایک عالمگیر کشش ہے جو سب کے لیے قابلِ فہم ہے۔ اس لحاظ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری پیغمبر ہیں پھر بھی جیسے جیسے فطرت کا نظام کھلتا جاتا ہے، بعد کے یکے بعد دیگرے آنے والوں میں یہ ملکہ فعال ہو تا رہتا ہے۔ ایسی پارسا ہستیوں کی توقع کی جا سکتی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئی صورتِ حال میں توحید کا سبق سکھانے کی اہلیت اور قدرت رکھتی ہوں"۔[29]

سر سید کے مذکورہ صدر خیالات واضح طور پر نئی نبوت کے لیے گنجائش پیدا کر رہے ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ مرزا قادیانی کو اپنی نئی نبوت کے لیے سر سید کے خیالات سے بھی شہ ملی۔ سر سید کی پیروی میں مرزا قادیانی نے بھی وحی کو ایک فطری ملکہ قرار دے کر اپنے اس مفروضے کی تائید کے لیے دلائل فراہم کرنے کی کوشش کی کہ نبی کی متابعت سے آدمی کا فطری ملکہ فعال ہو

سکتا ہے اور وہ نبی ہی کی طرح وحی پا سکتا اور خدا کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہو سکتا ہے۔[30] حشر کے بارے میں سر سید لکھتے ہیں :"حشر اجساد مثالی ہو گا"۔[31]

قرآن مجید میں معاد سے تعلق رکھنے والے تمام مسائل جن کو ایمانیات کہا جاتا ہے مثلاً آخرت کے متعلق ایمان لانا وغیرہ اور قرآن مجید میں ان کا تصور بہت واضح ہے۔ اور ان کا تصور عیسائیت اور یہودیت میں بھی موجود ہے لیکن جب یورپ میں نشاۃ ثانیہ ہوئی تب ان کے نظریات بھی بدل گئے اور جسمانی جزا سزا کی بجائے روحانی جزا سزا کا تصور آ گیا۔ اور جنت و دوزخ کو مقامات کی بجائے کیفیات سے تعبیر کرنے کا رجحان پیدا ہو گیا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

> "The most recent interpretations view Heaven symbolically as a state of life with Christ, rather than a place"

ایک طرف تو یورپ اور دیگر اہل مغرب جسمانی جزا و سزا کو روحانی کہتے ہیں اور دوسری طرف اہل اسلام کو اعتراض دیتے ہیں کہ اسلام نے یہ نظریات عیسایت اور یہودیت سے لئے ہیں۔ رچرڈ بیل کا اصرار ہے کہ حشرِ اجساد، جسمانی جزا سزا اور جنت و دوزخ کے واقعی وجود کے اسلامی تصورات بنیادی طور پر یہودیت، عیسائیت اور زردشت وغیرہ مذاہب سے ماخوذ ہیں جنہیں کچھ مقامی رنگ و روغن لگا کر پیغمبر اسلام نے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا۔[32]

ولیم میور کا خیال تھا کہ جنت و دوزخ کے قرآن میں بیان کیے جانے والے مناظر مادی مسرتوں اور حسی راحتوں کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں اور اس سے مقصود یہ ہے کہ عربوں کے ذہن کو، جو بنجر اور بے آب و گیاہ زمین کے باسی تھے، متاثر کیا جا سکے۔ وہ سورہ الرحمن کی آیات ۴۳۔۵۸ کا حوالہ دیتے ہوئے قران مجید کے جنت و جہنم سے متعلق بیانات کو بناوٹی قرار دیتا ہے جن کے ذریعے بدو عربوں کے لیے متاثر کن خیالات گھڑے گئے۔[33]

## مسائل معاد کے بارہ میں کلی طور پر سر سید کا نظریہ

مغربی واستشراقی اہلِ فکر سے تاثر کے نتیجہ میں سر سید نے معاد سے متعلق مسائل کو روحانی ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ سورہ الاعراف کی آیت (38) کی تفسیر میں حشرِ جسمانی کی تغلیط اور جزا و سزا کے روحانی ہونے پر استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انسانی روح، جو حیوانی روح سے بنیادی طور پر مختلف اور لافانیت کی حامل ہے، اپنی لافانیت میں جو خیر و شر جذب کرتی ہے، اس کے لیے روزِ قیامت جوابدہ ہے۔ قرآن میں روزِ قیامت پیش آنے والے جن کائناتی حوادث کا ذکر ہے، وہ اس زمانے کے وحوش وطیور پر گزریں گے، مگر اس سے پہلے مرنے والے انسانوں کے لیے قیامت ان کی موت ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ قیامت در حقیقت تمام کائنات میں ایک لازمی بنیادی تبدیلی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ قرآن کی کسی آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ روزِ حشر لوگ موجودہ جسموں میں دوبارہ زندہ ہوں گے۔ قرآن کے زمانۂ نزول کے لوگ چونکہ روح پر یقین نہیں رکھتے تھے، اس لیے جزا و سزا کی حقیقت سمجھانے کے لیے ان کے تخیل پر اثر انداز ہونے والا طریقہ اختیار کیا گیا جس سے مادی جسم کے از سر نو اٹھائے جانے کا عقیدہ پیدا ہو گیا حالانکہ واقعۃً مادی اجسام دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے اور جزا و سزا محض روحانی ہو گی۔[34] جنت و جہنم کے بارے میں ان کا نظریہ ہے کہ یہ ترغیب کے لئے ہیں حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ جیسا کہ سر سید اپنی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں:"جنت و جہنم کا تذکرہ در حقیقت معروف کو بجالانے اور نواہی سے بچانے کا ایک ترغیبی حربہ ہے"۔[35]

سر سید نے جنت و جہنم کی نعمتوں کو صرف ترغیب و ترہیب قرار دیتے ہوئے انہیں حسی سمجھنے والوں کو سخت انداز میں کوسا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن کے جنت و دوزخ کے وعدہ و وعید سے متعلق ایسے بیانات جو حسیت کا رنگ لیے ہوئے نظر آتے ہیں، ان کا مقصد دراصل جنگلی و بدوی اور غیر تربیت یافتہ انسانی دماغوں میں ان کے فہم کے مطابق انتہائی درجہ کے رنج و راحت کا احساس پیدا کرنا ہے ورنہ درحقیقت، جیسا کہ ایک تربیت یافتہ دماغ کو سمجھنے میں کچھ دقت پیش نہیں آتی، ان بیانات میں ذکر کردہ اشیا سے بعینہ وہ اشیا مقصود نہیں۔ کوڑ مغز ملا اور شہوت پرست زاہد جس طرح کی حسن پرستانہ اور شراب و کباب سے مزین جنت کا نقشہ پیش کرتے ہیں، ایسی جنت سے تو ہمارا یہ خرابہ بہتر ہے، چہ جائیکہ قرآن کے بیانات سے ایسی جنت کا ذکر مطلوب ہو۔[36] چور کے ہاتھ کاٹنے کے متعلق بھی سر سید احمد خاں کا فلسفہ ڈاکٹر محمد شہباز یوں بیان کرتے ہیں:

> " سر سید کی تفسیری نگارشات میں اسلامی سزاوں کے حوالے سے بھی استشراقی و مغربی ذہنیت سے مرعوبیت کے واضح آثار دکھائی دیتے ہیں"۔[37]

تفسیر القرآن میں سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 33 کی تفسیر میں مرعوبیت یوں نمایاں ہوتی ہے:

> "ان آیات میں جو ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے نیز اس آیت میں جس چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے، یہ ضروری نہیں ہے اور جن لوگوں نے اسے ضروری سمجھا ہے انہوں نے استنباط مسائل میں غلطی کی ہے۔ قرآن قید کرنے اور ہاتھ کاٹنے میں حسب رضائے حاکم سزا تجویز کرنے کا اختیار دیتا ہے۔ فقہاء کی طرف سے ہاتھ کاٹنے کے سلسلہ میں چوری شدہ مال کی مقدار کے تعین کی کوشش اس بات کا واضح ثبوت ہے"۔[38]

اپنے اصول کو مد نظر رکھتے ہیں اور اسی کے مطابق تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا وحشیانہ ہے، اس کی اجازت صرف اس وقت تک ہے جب ملک میں قید خانے نہ ہوں"۔[39] جہاد کے متعلق اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جہاد صرف اپنی ذات کے دفاع کے لئے کیا جاسکتا ہے اس کے علاوہ قتال کی کسی سورت کوئی گنجائش نہیں ہے:

"قتال صرف اپنی ذات کے دفاع میں کیا جاسکتا ہے"۔[40] حالانکہ جہاد کا دین اسلام میں بہت واضح تصور ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید کے نزول کے وقت جہاد کیا اور قرآن مجید میں واضح ہے کہ ان کافروں سے تب تک لڑائی کرو جب تک یہ ایمان نہ لے آئیں۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 193 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۱۹۳۔ "اور ان سے جنگ کرو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہ جائے اور دین اللہ کا ہو جائے اور اگر یہ باز آجائیں تو پھر اقدام صرف ان کے خلاف جائز ہے، جو ظالم ہیں"۔

جہاد کے مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کی جائے۔ لیکن سر سید اس میں " کثرت لوگ دین اسلام پر یہ کہہ کر اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں تحمل اور بردباری نہیں ہے "میں یہ کہہ کر تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعد کے خلفاء نے دین اسلام کے اس اصول کو اپنی بادشاہت کے حصول کے لئے وحشی درندوں سے بھی بدتر کام کئے اور بعد کے علماء نے انکی تائید کے لئے ایسے مسائل بیان کئے جو اسلام کی روحانی نیکی کے برخلاف تھے۔[41]

لیکن یہ سب باتیں حقیقت کے بر خلاف ہیں کیونکہ دین اسلام میں جہاد کا مقصد خون بہانا بلکل نہیں ہے یہ بات اس دلیل سے بلکل واضح ہو جاتی ہے اسلامی جنگوں میں نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں چند سو لوگ قتل ہوئے۔ قرآن مجید سود کی حرمت آئی ہے لیکن وہ اس کی توجیح کرتے ہوئے امراء کو اس سے ماورا قرار دیتے ہیں کہ امراء سے سود لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔ "امراء سے سود لینے میں کوئی حرج نہیں"۔[42]

## عرش کے متعلق سرسید کا نظریہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۵۴۔[43]

"بیشک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا ہے پھر عرش پر قائم ہوا وہ شب سے دن کو ایسے طور پر چھپا دیتا ہے کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا بڑی خوبیوں سے بھرا ہوا ہے اللہ جو تمام عالم کا پروردگار ہے"۔

کے الفاظ ثم استوی علی العرش تشریح میں فخر الدین رازی کی تفسیر پر تنقید کرتے ہوئے سوال کرتے ہیں کہ امام فخر الدین رازی عرش کا بعض جگہ حقیقی اور بعض جگہ استعراتی مراد کیوں لیتے ہیں؟۔ مزید امام فخر الدین رازی کے سوال کہ استعراتی معنیٰ مراد کیوں لیتے ہیں اسکا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: کہ ظاہری معنی صرف اس وقت ترک کیے جاتے ہیں جب مفسر کے پاس اس کا واضح ثبوت ہوتا ہے کہ ایک مخصوص سیاق وسباق میں متن کا یہ منشا نہیں، لیکن معاملہ کو یہیں چھوڑ دینا اور زیر بحث لفظ کی تخصیص یا اس کے معنی کی تاویل نہ کرنا، قرآن کو بے معنی کرنا ہے۔ آخر قرآن نازل ہی کیوں گیا تھا۔ یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن بلاشبہ کلام خداوندی ہے، لیکن یہ انسانی زبان میں ملفوف ہے، اس لیے الفاظ قرآنی کے معنی اسی طرح متعین کرنے چاہیں جیسا کہ ہم یکساں مواقع پر انسانوں کے الفاظ کے معنی ومفہوم متعین کرتے ہیں۔ اس طریقہ کو تاویل کہنا غلط ہے۔ یہ تاویل نہیں بلکہ خدا نے ان الفاظ کو اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔[44]

اس کی تفسیر میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:" خدا کے استواء علی العرش (تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہونے) کی تفصیلی کیفیت کو سمجھنا ہمارے لیے مشکل ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کے بعد کسی مقام کو اپنی اس لامحدود سلطنت کا مرکز قرار دے کر اپنی تجلیات کو وہاں مرتکز فرما دیا ہو اور اسی کا نام عرش ہو جہاں سے سارے عالم پر موجود اور قوت کا فیضان بھی ہو رہا ہے اور تدبیر امر بھی فرمائی جارہی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عرش سے مراد اقتدار فرماں روائی ہو اور اس پر جلوہ فرما ہونے سے مراد یہ ہو کہ اللہ نے کائنات کو پیدا کر کے اس کی زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ بہر حال استواء علی العرش کا تفصیلی مفہوم خواہ کچھ بھی ہو، قرآن میں اس کے ذکر کا اصل مقصد یہ ذہن نشین کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ محض خالق کائنات ہی نہیں ہے بلکہ مدبّر کائنات بھی ہے۔ وہ دنیا کو وجود میں لانے کے بعد اس سے بے تعلق ہو کر کہیں بیٹھ نہیں گیا ہے بلکہ عملاً وہی سارے

جہان کے جزو کل پر فرماں روائی کر رہا ہے۔ سلطانی و حکمرانی کے تمام اختیارات بالفعل اس کے ہاتھ میں ہیں ہر چیز اس کے امر کی تابع ہے"۔

**دوسرا اصول: تعلیل و تسبیب**

سر سید احمد خان کا نظریہ یہ ہے کہ دنیا کا ہر کام کسی سبب یا علت کہ وجہ ہے اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا دنیا میں جو کچھ بھی ہے سب اسی اصول کے تحت ہیں اس سے کوئی چیز مستثنیٰ نہیں ہے۔ ہر چیز اس قاعدے کے مطابق ہے خود اللہ تعالیٰ بھی اس قانون سے انحراف نہیں کر سکتا۔"اس کاروبار دنیا کا ہر فعل تعلیل و تسبیب کے ہمہ گیر قانون پر استوار ہے"۔[45]

سر سید مزید لکھتے ہیں: "ذرّہ سے لے کر پہاڑ تک، قطرہ سے لے کر سمندر تک کوئی چیز اس سے مستثنیٰ نہیں، کائنات کے ہر حصہ میں اسی قاعدے اور قانون کی حکمرانی ہے، یہ ایسا اٹل قانون ہے کہ اس کا انحراف خدا بھی نہیں کر سکتا"۔[46] سر سید کہتے ہیں کہ یہ قانون فطرت ہے۔، اسی نظریہ کی بنیاد پر انہیں نیچری کہا جاتا ہے۔ سر سید نے اس اصول کے تحت معجزات و کرامات کے بارے میں تاویل و تحریف کا کام کیا۔ سر سید کا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید میں کسی معجزے کا ذکر نہیں ہے۔[47]

اس دعویٰ کو سچا کرنے کے لئے جو طرز و طریقہ اختیار کیا ہے وہ اس تانے بانے تحریف سے جا ملتے ہیں۔ مثلاً: نبی اکرم ﷺ کا معراج پر جانے کی تاویل اس طرح بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا معراج پر جانا بجسد انسانی نہیں بلکہ روحانی اور حالت نوم میں معراج پر گئے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں: "حضور اکرم ﷺ کو معراج جسمانی نہیں، روحانی اور منامی ہوا تھا"۔[48]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق لکھتے ہیں: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش قانونِ فطرت کے مطابق والد کی موجودگی میں ہوئی تھی"۔ اسی طرح ان کے اٹھائے جانے کے متعلق لکھتے ہیں:"انہیں آسمان پر اٹھائے جانے کا تعلق جسم سے نہیں، روح اور درجات سے تھا"۔ حضرت ابراہیم کے آگ میں ڈالنے اور میدان بدر میں فرشتوں کا انکار کرتے ہیں:"حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا ہی نہیں گیا، بدر کے میدان میں ملائکہ کے براہِ راست شریک ہونے کی کوئی حقیقت نہیں"۔[49]

سر سید کے مطابق جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا پر پہنچے تو دریا کے اترنے کا وقت تھا وہ لکھتے ہیں: "حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قوم کو لے کر دریا پر پہنچے تو اس وقت اتفاقاً دریا کا پانی اترا ہوا تھا، اس لئے سلامت گزر گئے، جب فرعون بمع لشکر کے دریا میں اترا تو اس وقت پانی چڑھا ہوا تھا، اس لئے غرقاب ہو گیا"۔[50] ان سب کی تفسیر سر سید قانون فطرت کہہ کر کر دیتے ہیں اور ان کو معجزہ ماننے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ قانون فطرت کے مطابق کام ہوئے ہیں اس کے علاوہ ممکن نہیں حالانکہ ان میں سے بعض باتوں کے مستشرقین بھی قائل ہیں۔

**تیسرا اصول: تفسیر کے مصادر**

سر سید صاحب کا تیسرا اصول یہ ہے کہ تفسیر کے لئے حدیثِ رسول، آثارِ صحابہ کرامؓ اور مفسرین کے اقوال کی چنداں حاجت نہیں۔[51] چنانچہ سر سید کی معتبر سوانح "حیاتِ جاوید" جسے علامہ شبلی نعمانیؒ نے "مدلّل وحی" قرار دیا۔[52]

اس میں الطاف حسین حالی لکھتے ہیں:"پس انہوں نے جیسا کہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے:"حسبنا کتاب اللّٰہ "کہہ کر اپنے جدید علم کلام کا موضوع اور اسلام کا حقیقی مصداق صرف قرآن مجید کو قرار دیا اور اس کے سوا تمام مجموعۂ حدیث کو اس دلیل سے کہ ان میں کوئی حدیث مثل قرآن کریم کے قطعی الثبوت نہیں ہے اور تمام مفسرین کے اقوال و آراء اور تمام فقہاء، مجتہدین کے قیاسات واجتہادات کو اس بنا پر کہ ان کے جواب وہ خود علماء مفسرین اور فقہاء مجتہدین ہیں نہ کہ اسلام، اپنی بحث سے خارج کر دیا، اسی اصول کو ملحوظ رکھ کر سر سید نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا مصمّم ارادہ کر لیا"۔[53]

سر سید اپنے اس اصول کے تحت تفسیر میں نہ تو صحابہ کے اقوال نقل کرتے ہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ کی احادیث کا بھی کہیں حوالہ ذکر نہیں کرتے۔ ان کی مکمل تفسیر میں کہیں بھی کوئی حوالہ نہیں ملتا۔

### چوتھا اصول: صفات باری تعالیٰ کے بارے میں

قرآن مجید میں اس چیز کا ہونا ضروری تھا کہ اس کے احکام کو تمام انسان یکساں سمجھیں اور اس سے ہدائت یافتہ ہوں۔ ایک عام دیہاتی آدمی اور ایک پڑھا لکھا فلاسفر آدمی سب کے سب قرآن مجید کے مضامین کو یکساں سمجھ سکیں۔ اور صرف قرآن مجید ہی ایسا کلام ہے جس سے مختلف حیثیتوں اور درجوں بلکہ متضاد حیثیت کے لوگ بھی یکساں ہدایت حاصل کرتے ہیں۔[54] چناچہ سر سید اصول تحریر کرتے ہوئے صفات باری تعالی کو ذات باری تعالیٰ قرار دیتے ہیں سید الاصل السابع میں لکھتے ہیں:"صفات باری تعالیٰ عین ذات ہیں اور مثل ذات ازلی و ابدی ہیں۔[55]

اللہ تعالیٰ کے بارے میں سر سید کا نظریہ یہ ہے:"جو ہمارے خدا کا مذہب ہے وہی ہمارا مذہب ہے، خدا نہ ہندو ہے نہ عرفی مسلمان، نہ مقلد نہ لا مذہب نہ یہودی، نہ عیسائی وہ تو پکا چھٹا نیچری ہے"۔[56] اس اصول سے کسی کو بھی اختلاف کی گنجائش نہیں لیکن ہدایت حاصل کرنے کے لئے قرآن کریم میں ایک اور شرط بھی ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے:"خدا اس سے بہتیوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتیوں کو ہدایت بخشتا ہے اور وہ گمراہ بھی کرتا ہے تو نافرمانوں ہی کو۔"

عبد الرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:"یعنی قرآن واقعی ہی ہدایت ہے مگر جو قلب سلیم سے اس سے ہدایت حاصل کرنا چاہے اور جس کا دل کجرو اور فاسق نہ ہو جو قرآن کی روشنی کے تابع ہو کر چلنا چاہے نہ قرآن کو اپنے قلب و ذہن کے تابع کرنا چاہے۔ سارے بدو یا مولوی یا سقراط اس سے ہدایت ہی نہیں پاتے بلکہ اکثر اس سے گمراہ بھی ہو جاتے ہیں۔[57] اور اس بات کی تصدیق کے لئے بے شمار شواہد ہیں جنکو نقل کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً کتنے ہی گمراہ فرقوں کے بانی ایسے ہیں جنکی ذہانت کے چرچے دور دور تک تھے لیکن ان سے اچھائی کی بجائے گمراہی کا سر زد ہو گیا۔ دراصل قرآن مجید اس کو سمجھ آئے گا جو اس کو سمجھنے کی نیت سے مطالعہ کرے گا دوسرے آدمی کو اس کی کبھی درست سمجھ نہیں آسکتی۔ لہذا یہ کہنا کہ قرآن مجید ہر کسی کو سمجھ میں آنا چاہئے یہ بات درست نہیں۔

### خلاصہ بحث

سر سید احمد خان نے بر صغیر کے تفسیری رجحانات کو ایک جدید بلکہ عقلی رخ دیا اور اپنی تفسیر لکھنے کے ساتھ تفسیر کے اصول بھی بیان کئے ہیں اور اپنی تفسیر میں ان کا اطلاق کیا ہے ان کا سب سے بنیادی اصول (1) ورک آف گاڈ یعنی قانون قدرت (2) ورڈ آف گاڈ یعنی خدا کا کلام قرآن مجید اور ورڈ آف گاڈ اور ورک آف گاڈ کبھی مختلف نہیں ہو سکتے اس نظریئے کو پیش کیا۔ اور اس

کے تحت بہت سے اسلامی نظریات کی تاویل و توجیہات کرنے کی کوشش کی۔ یہاں تک ولیم میور کے جوابات دیتے ہوئے جن باتوں کو شامل کیا ان کی تفسیر میں ایسے لگتا ہے جیسے رد کر رہے ہیں۔ اور ساتھ میں نہ ماننے والوں پر سخت تنقید کرتے نظر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام جو بعد میں آیا ہے اس کو پہلے جو قانون قدرت ہے اس کے مطابق کریں گے ورنہ ان دونوں میں اختلاف آئے گا۔ حالانکہ ایمانیات اور مسائل معاد کا علم اور قانون کچھ بھی پہلے نہ کسی نے دیکھا ہے اور نہ کوئی اس کے متعلقہ دلیل موجود ہے لیکن پھر بھی ان کا انکار کرتے ہوئے اس کی تاویلات کرتے ہیں۔

سرسید احمد خان نے یہ نظریہ پیش کیا کہ عقل کو نقل پر فوقیت ہے اور اگر ان میں تعارض آجائے تو عقل کو ترجیح ہو گی۔ اس کے ضمن میں فرشتوں، وحی اور نبوت کے متعلق مختلف نظریات پیش کرتے ہیں جو سلف کے منہج اور قرآنی نصوص کے خلاف ہیں۔ ان میں سے بعض کو مستشرقین بھی مانتے ہیں۔ سرسید یہ کہہ کر ان کی تاویل کرتے ہیں کہ اگر اس طرح تاویل نہ کریں گے تو اسلام پر نقد ہو گا۔ البتہ ایسے لگتا ہے جیسے سائنس اور مستشرقین کی ترجمانی کرتے ہوں۔ اور اسلامی عقائد و نظریات کا رد اور ان کی تاویل ان کے اصولوں میں شامل ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ اپنے اصول میں درست نہیں ہیں کیونکہ ایک چیز کا علم دنیا میں رکھا ہی نہیں گیا اور نہ ہی اس کو کسی نے دیکھا ہے تو اس کے بارہ میں ہم اپنی عقل کو کیسے استعمال کر سکتے ہیں۔ مزید یہ ہے کہ معراج النبی ﷺ کو اگر روحانی قرار دیں تو اس وقت کے مشرقین مکہ اور دیگر یہود کا کوئی اعتراض نہیں بنتا تھا ان کا اعتراض تو یہ تھا کہ رات کے ایک پہر میں یہ کیسے ممکن ہے۔ تو خالق قائنات نے جس نے دنیا کو بنا کر اس میں انسان کو بھیجا پر ان کی نسل کو بڑھانے کا ایک ایسا ذریعہ بنایا کہ ایک پانی کے قطرے سے نئی نسل کے آغاز کا بندوبست فرمایا اس نے راتوں رات معراج بھی کروالی۔ اب نسل کے بڑھنے کے عمل کو عقل کیسے تسلیم کرتی ہے؟ اس کی ایک ہی وجہ سامنے آتی ہے کہ جو چیز مشاہدے میں ہو اسے مان لیتے ہیں اور جو چیز مشاہدے میں اس کا انکار یا تاویل کر لی حالانکہ جس طرح ہمارے مشاہدے میں چیزیں ہیں اسی طرح ہی عالم الغیب کی چیزیں ہیں۔ اگر معراج کو روحانی مان بھی لیں تو نبی اکرم ﷺ کے بعد کسی پر یہ مکاشفہ کیوں نہ ہوا؟ اور کسی کو اس حقیقت جو نبی اکرم ﷺ نے آکر بیان کی تھیں وہ کوئی اور روحانی طور پر دیکھتا اور ان کو سچا یا جھوٹا ثابت کرتا۔ لیکن حقیقت میں یہ سب مستشرقین کی پیروی یا عقیدت میں سب عقلی روایات کو لایا گیا ہے اس میں اتنی ہی حقیقت ہو سکتی ہے جتنا بیان کرنے والے کا مشاہدہ ہے؟

سرسید نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اپنا نظریہ پیش کیا کہ اسے دیکھا نہیں جا سکتا۔ ان کی یہ بات تو ٹھیک ہے کہ دنیا میں نہیں دیکھا جا سکتا لیکن جنت میں اللہ تعالیٰ جنتیوں کو اپنا دیدار کروایں گے۔ لیکن سرسید جنت و جہنم کو ترغیب و ترہیب کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ لیکن ترغیب و ترہیب کے لئے ماننے سے عقل ہی انکار کرتی ہے۔ دنیا میں ایک شخص اچھے اعمال کرتا ہے کسی کے سات زیادتی نہیں کرتا اس پر ظلم بھی ہوتا رہتا ہے اور دوسرا شخص وہ دنیا میں رہ کر کوئی اچھا عمل نہیں کرتا اور ساری زندگی ظلم کرتا رہتا ہے ہماری انسانی عقل بھی یہ نہیں مانتی کہ ایک ایسی ہستی جو خالق کائنات ہے اس کے ہوتے ہوئے انصاف نہ ہو۔ ظالم کو اس کے کئے کی سزا نہ ملے اور ایک نیک شخص کو مظلوم کو اس کا اجر نہ ملے۔ اس کے لئے خالق کائنات نے قیامت کا دن مقرر کیا ہے جہاں سب کے ساتھ انصاف ہو گا۔ دنیا میں کوئی کسی صاحب ثروت کے ساتھ اچھائی کر دے تو وہ اس کو انعام و اکرام سے نوازتا ہے اسی طرح کیا حقیقی مالک انعام و اکرام سے نہیں نوازے گا؟ اگر نوازے گا تو کب؟ ایک شخص جس پر ظلم ہوا اس کو

قتل کر دیا گیا پھر دنیاوی لحاظ سے اس کے قاتل کو بھی عدالت نے بری کر دیا اس ظالم کو سزا کب اور کہاں اور کیسے ملے گی؟ یہ بات تو سماجی انصاف کے بھی خلاف ہے کہ اس کو اس کے کئے کی سزا نہ ملے۔

نبوت کو فطری عمل قرار دیا اور فرشتوں کی تاویل کی ہے فرشتہ ایک علامتی چیز ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اگر نبوت ایک فطری عمل ہے تو پھر یہ فطرت نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی پر کیوں عیاں نہیں ہوئی۔ اور کسی دوسرے کی بات میں اس قدر توازن اا اور سچائی کیوں نہ ہوئی؟۔ نبی اکرم ﷺ کے مشرقین کو بات کہتے وہ سچ ثابت ہو جاتی بعد میں کوئی ایسی شخصیت کیوں نہ آئی جس کو فطری طور پر چیزوں کا پتہ چل جاتا کہ وہ نبی بن گیا ہے؟ اس طرح کے اور بھی کئی سوالات ہیں جن سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ نبوت فطری عمل نہیں بلکہ یہ وہبی ہے۔

## References


[1] *Bukhārī*, Kitāb al-Tafsīr, 4510.

[2] Abul Hassan Alī Nadvī, *Muslim Mumālik maīn Islamiyat or Maghrabiyāt kī kashmakash* (Karachi: Majlis Nashriyāt e Islam, 1981), 96-97.

[3] Qāzī Javaīd, *Sir Sayyad Say Iqbāl Tak* (Lahore: Idāra Takhlīqāt,1998), 15.

[4] Safdar Salīmī, *Pakistan Kā Ma'mār e Awal* (Lahore: Idāra al-Islam, 1967), 55.

[5]Altāf Hussaīn Halī, *Hayat-e-Javaīd* (Lahore: Arsalān Books), 225.

[6] Safdar Salīmī, *Pakistan Kā Ma'mār-e-Awal*, 55.

[7] Dr.Muhammad Shahbāz Manj, *Barry Saghīr kay Ehl-e-Tafsīr Par Maghrabī Fikr o Tahzīb Kay Asrāt: Sir Sayyad aūr Parvaīz Kā Khasūsī Mutal'ah* (Lahore: Al-Qamar Publications), 22.

[8] Manj, *Barry Saghīr kay Ehl-e-Tafsīr Par Maghrabī Fikr o Tahzīb Kay Asrāt: Sir Sayyad aūr Parvaīz Kā Khasūsī Mutal'ah, 22.*

[9] Sir Sayad Ahmad Khan, *Tafsīr-ul-Qur'ān: Tafsīr-ul-Qur'ān wa Huwal Huda Wal Furqān* (Lahore: Tajir Kutub), 6.

[10] Khan, *Tafsīr-ul-Qur'ān,* 2.

[11] Khan, *Tafsīr-ul-Qur'ān,* 6.

[12] Khan, *Tafsīr-ul-Qur'ān*, 6.

[13] Fazl al-Rehmān Ganurī, *Sir Sayyad kā Bunyādī Asūl Nature aūr Law Of Nature* (Alīgarh:Tehqīqāt-e-Islamī, 1990), 297-311.

[14] Sayad Abdullah, *Sir Sayyad or un kay Nāmwar Rufāqā' kī urdū Nasar Ka Funnyo Fikri Jaiza* (Islam Abad:Maqtdra Qomi Zuban, 1994),31-32.

[15] Alṭāf Husaīn Hālī, *Hayāt-e-Javaīd*, 57.

[16] Prat, John H, *Scripture and Science not at variance* (London: 1858), 95.

[17] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 31, 118.

[18] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 55.

[19] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 56.

[20] Mircea Eliade,*The Encyclopedia of Religion* (London & New York: Editor in Chief, 1987), 4, 291.

[21] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān,* 117.

[22] Walī, *Tehzīb Al-Ikhlāq* (Lahore) addition:2, 191.

[23] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 65-67.

[24] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 613, 624.

[25] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 204.

[26] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān,* 49.

[27] Manj, *Barre Saghīr kay Ehl-e-Tafsīr Par Maghrabī Fikr o Tahzīb Kay Assrāt*, 55.

[28] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 110,113.

[29] Dr Sir Sayad Ahmad Khan, *Fikr-e-Islamī Kī Tabīr e Nū'*, trans. Dr. Qāzī Afzal Hussaīn & Muhammad Akram Chughtaī (Lahore: Al-Qamar Enterpriser, 1998), 217-218.

[30] Mirzā Ghulām ahmad qādyānī, *tafsīr surah fātiha* (rabuwh: Dār al-musanifīn), 250-260.

[31] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*,109.

[32] Richard Bell, *Introduction to the Quran* (The Edinburgh University press, 1963), 156-161.

[33] William Muir, *The Life of Mahomet* (London: Smith Elder & Co;1877), 2. 141-145.

[34] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 635-675.

[35] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān,* 45-46.

[36] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 106-108.

[37] Manj, *Barre Saghīr kay Ehl-e-Tafsīr Par Maghrabī Fikr o Tahzīb Kay Assrāt*, 66.

[38] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 518,519.

[39] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 113,135.

[40] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 248.

[41] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 248.

[42] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*,116.

[43] Al A'raf 54.

[44] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 679-691.

[45] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 21,25.

[46] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 8,24.

[47] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 24,25.

[48] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 86.

[49] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 50.

[50] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 92.

[51] Khān, *Tafsīr al-Qur'ān*, 28.

[52] Zīa' Al-dīn Lāhūrī, *Naqash-e-Sir Sayyad* (Lahore: Dār al-Kitāb, 2004), 27.

[53] Hālī, *Hayāt-e-Javaīd,* 57.

[54] Hālī, *Hayāt-e-Javaīd,* 58.

[55] *Tehrīr fī Asūl al-Tafsīr*, 7/31.

[56] *Mqālāt Sir Sayyad* (Majlis Traqī Adab), 15/147.

[57] Maūlānā Abd al-Rehmān Kelānī, '*Aīna Pervaīziyyāt* (Lahore: Maktabah Islam Street), 72.